و(المَجْل) بفتح الميم وسكون الجيم وفتحها هو النفط الذى يحصل فى اليدين من العمل بفأس ونحوه، و(النفط) بكسر الفاء ۔۔۔ قال ابن الفارس النفط قرح يخرج فى اليدين من العمل، (ومنتبراً) مفتعلاً من الانتبار وهو الارتفاع ومنه المنبر لارتفاع الخطيب عليه، و(الامانة) المتبادر منها الى الذهن المعنى المشهور منها وهو ضد الخيانة، وقيل المراد فيها هو التكاليف الالٰهية۔۔۔''۔

(' وَکت' معمولی نشان یا معمولی سیاہی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ابھار ہے جس کا رنگ بدل گیا ہو۔ 'مَجْل' سے مراد وہ ابھار ہے جو کلہاڑی وغیرہ چلانے سے ہاتھ میں پڑجاتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ نِفط سے مراد وہ زخم ہے جو کام کرنے سے ہاتھ میں پڑ جاتا ہے۔ 'منتبر' کا معنیٰ ہے ابھرا ہوا۔ اسی سے لفظ 'منبر' ہے کہ اس پر چڑھ کر خطیب خطبہ دیتا ہے۔ امانت خیانت کی ضد ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ذمے داریاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عائد کی ہیں۔)

اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نانوتوی کی عربی لغت پر بھی گہری اور وسیع نگاہ تھی۔ وہ زبان کے دقائق و لطائف سے بہ خوبی واقف تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کو حدیث پر مستقل اور مربوط کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم صحیح بخاری کے آخری پانچ چھ اجزاء پر جو حواشی انھوں نے قلم بند کیے ہیں وہ ان کے وسیع علم اور گہرے مطالعہ پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جیسے صاحب علم کے کام کو اسی معیار پر پورا کرنا آسان نہیں تھا۔ انھوں نے اس کام کو پورے اعتماد سے ایک نوعمر عالمِ دین کے حوالہ کیا جس نے کما حقہ اس کو پورا کیا۔

حواشی ومراجع

۱۔ موج کوثر، شیخ محمد اکرام، طبع دہلی، ۲۰۰۹ئ، ص ۳۶۷

۲۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، مولانا سید محمد میاں، طبع دہلی، ۱۹۸۵ئ، ۴/ ۷۷

۳۔ سوانح قاسمی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، طبع دیوبند، ۱۳۹۵ھ، ۲/ ۱۲۶–۱۲۷؛ تذکرۃ الرشید، مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی، طبع سہارن پور (سنہ طبع ندارد)، ص ۴۷–۵۷؛ علماء ہند کا شان دار ماضی، ۴/ ۲۷۶

۴۔ نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحئ حسنی، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد دکن، ۱۹۵۹ئ، ۷/ ۳۸۳

۵۔ ایضاً، ۷/ ۳۸۴؛ موج کوثر، ص ۲۰۰

۶۔ نزہۃ الخواطر، ۷/ ۳۸۴

۷۔ حوالہ سابق

۸۔ موج کوثر، ص ۲۶۷

۹۔ مولوی رحمان علی (محمد عبدالشکور حکیم شیر علی صدیقی) صاحب تذکرہ علماء ہند، (شائع کردہ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، پاکستان ۱۹۶۱ئ) نے صفحہ ۴۶۵ پر عنوان 'مولوی محمد قاسم نانوتوی' کے تحت لکھا ہے کہ ''آپ (مولانا محمد قاسم) نانوتہ میں دفن ہوئے''، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی کتاب کے مرتب و مترجم محمد ایوب قادری نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نانوتہ میں نہیں، بلکہ دیوبند میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۶۶)

۱۰۔ سوانح قاسمی، ۱/ ۳۵۲؛ نزہۃ الخواطر، ۷/ ۳۸۳؛ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی – حیات، افکار، خدمات، مقالہ نگار مولانا خالد سیف اللہ رحمانی و مولانا محمد برہان الدین قاسمی سنبھلی، ص ۲۹۴–۳۰۰، مجموعہ مقالات سمینار بہ عنوان ''الامام محمد قاسم النانوتوی''، بہ اہتمام تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند، منعقدہ ۲۰–۲۲، مئی ۲۰۰۰ئ، نئی دہلی۔

۱۱۔ نزہۃ الخواطر، ۷/ ۳۸۳

☆☆☆

ترجمہ و تلخیص

تفسیر المبصر لنور القرآن' — ایک مطالعہ

[ایک خاتون کے قلم سے قرآن مجید کی مکمل تفسیر]

ڈاکٹر عفاف عبد الحمید غفور
مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنا مخاطب بنایا ہے۔ احکامِ الٰہی کے نفاذ اور دعوت و اصلاح کی وہ بھی مکلف ہیں۔ اسی لیے قرآن کے فہم اور تفسیر میں انھوں نے بھی دل چسپی لی ہے۔ اس معاملے میں امہات المومنین مثالی نمونہ ہیں اور حدیثِ نبوی کی روایت میں لمبے عرصے تک خواتین کا اہتمام اسی کا ایک پرتو ہے۔

لیکن ابتدائی صدیوں کے بعد تفسیر قرآن کے میدان میں خواتین کی سرگرمیاں کم ہوگئیں اور تصنیف و تالیف کے معاملے میں بھی ان کا کردار نمایاں نہیں رہا۔ چنانچہ تعلیم و تعلّم سے ان کی دل چسپی کے باوجود کتبِ تراجم میں کسی خاتون کی تفسیر کا تذکرہ ملتا ہے نہ قدماء نے ان کی علمی خدمات کا کہیں یکجا ذکر کیا ہے۔ کتب طبقات و تراجم میں حدیث، تاریخ، فقہ اور تصوف وغیرہ کے میدانوں میں تو کچھ خواتین کے نام ملتے ہیں، لیکن تفسیر و علوم قرآنی میں کوئی خاتون شاذ و نادر ہی دکھائی دیتی ہے۔

موجودہ دور میں عرب اور مسلم ممالک میں قرآن کریم کی تعلیم سے دل چسپی میں اضافہ ہوا ہے اور روایتی مکاتب و مدارس کے علاوہ سرکاری وغیر سرکاری سطح پر عصری ادارے بھی قائم ہوئے ہیں، اس کے باوجود اس میدان میں خواتین کی خدمات اب بھی بہت محدود ہیں۔ انھوں نے قرآنی موضوعات پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے ہیں، کتابیں تصنیف کی ہیں اور قرآن کی بعض سورتوں کی تفسیریں لکھی ہیں،

لیکن کسی خاتون نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھی ہو، اس کا علم نہیں ہے۔☆

اس صورتِ حال میں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ محترمہ نائلہ ہاشم صبری نے المبصر لنور القرآن کے نام سے قرآن کی مکمل تفسیر لکھی ہے۔ آئندہ سطور میں اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے گا اور اس کے امتیازات وخصائص پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مفسّرہ کا مختصر تعارف

محترمہ نائلہ ہاشم صبری کی پیدائش ۱۹۴۴ء میں قلقیلیہ (فلسطین) میں ہوئی۔ انھوں نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی جو دین داری اور علم میں شہرت رکھتا تھا۔ ان کے والد شیخ ہاشم حسن صبری جامع ازہر کے فارغ التحصیل، علاقہ قلقیلیہ کے سابق مفتی، مسجد عمری کے امام اور مدرسۃ المرابطین اور مدرسۃ السعدیہ میں ۱۹۷۸ء تک دینیات کے استاد رہے اور ان کے شوہر شیخ ڈاکٹر عکرمہ سعید صبری مسجد اقصیٰ کے خطیب اور القدس اور الدیار الفلسطینیۃ کے سابق مفتی تھے۔ سیدہ نائلہ کو ابتدا سے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا، لیکن کم عمری میں شادی ہوجانے کے سبب انھیں یونی ورسٹی کی سطح تک تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ انھوں نے ذاتی طور پر تحصیلِ علم کے لیے خوب محنت کی، ان کے شوہر کی ذاتی لائبریری میں اسلامی علوم کی بہت سی کتابیں تھیں۔ ان سے انھوں نے بھرپور استفادہ کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر کلامِ الٰہی کے فہم ومعرفت کے دروازے کھول دیے۔

سیدہ نائلہ نے ابتدائی عمر ہی میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا، انھوں نے مسجد اقصیٰ میں خواتین کے سامنے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اس میں خواتین اور بچوں کی بڑی تعداد شرکت کرتی تھی۔

فہمِ قرآن کے شدید اشتیاق نے انھیں کتب تفسیر کے مطالعہ کی جانب مائل کیا۔ یہ کام انھوں نے مسلسل بیس (۲۰) سال تک انجام دیا۔ وہ پڑھنے لکھنے میں

☆زینب الغزالی کی مکمل تفسیر 'نظرات فی کتاب اللہ' کے نام سے چھپ گئی ہے۔ اس کے علاوہ جدید دور کی متعدد خواتین نے قرآن کی مکمل تفسیر لکھی ہے۔ (مترجم)

روزانہ سات (۷) سے زائد گھنٹے صرف کرتی تھیں۔ انھوں نے اس عرصے میں ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے زائد قدیم وجدید تفاسیر کا مطالعہ کیا۔

سیدہ نائلہ کو متعدد علمی، سماجی اور رفاہی انجمنوں کی رکنیت حاصل ہے۔ مثلاً وہ ۱۹۸۲ء سے **جمعیة نساء الاسلام** قدس کی صدر ہیں۔ اس کے علاوہ **اتحاد الجمعیات الخیریة** فلسطین، **جمعیة الہلال الاحمر** قدس، **اتحاد الجمعیات النسائیة التطوعیة** فلسطین اور **اتحاد الکتاب الفلسطینین** فلسطین کی رکن ہیں۔ انہیں دنیا کے مختلف ممالک میں دروس قرآن اور دینی محاضرات دینے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے مواقع ملے ہیں، مثلاً قدس، اسپین، بحرین، جنوبی افریقہ، اٹلی، کوریا، امریکا، عُمان، برازیل، متحدہ عرب امارات وغیرہ۔ اس کے علاوہ اخبارات وجرائد میں دینی موضوعات پر ان کے بہت سے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

علمی خدمات

سیدہ نائلہ نے مختلف موضوعات پر تحریر وتصنیف کی خدمات انجام دی ہے۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱—**کواکب النساء**: یہ کتاب دار الرسالة المقدسیة سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں پانچ سو (۵۰۰) سے زائد خواتین کے تذکرے جمع کیے گئے ہیں۔ اس میں قرآن میں مذکور خواتین، امہات المومنین، بنات النبی، صحابیات، بہادر خواتین، محدثات، فقیہات اور جود وسخا، عبادت وزہد، شعر وادب، حکومت وسیاست اور دیگر میدانوں میں شہرت حاصل کرنے والی خواتین شامل ہیں۔ یہ کتاب ۴۳۸ رصفحات پر مشتمل ہے۔

۲—**حول مناسک العمرة**: اس کے چھ ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔

۳—**حول مناسک الحج**: اس کے تین ایڈیشن چھپے ہیں۔

۴—**ومضة فی ظلام**: اس مجموعہ میں سیاسی مقالات اور دیگر تحریریں شامل ہیں۔ اشاعت ۱۹۷۲ء

۵—**سأبقی**: اس مجموعۂ مقالات کی اشاعت ۱۹۷۹ء میں ہوئی تھی۔

۶ –ھذہ امتی: اس میں دینی اور سماجی موضوعات پر مقالات اور قصے شامل ہیں۔
۷–تفسیر المبصر لنور القرآن: اس کا مفصل تعارف آئندہ سطور میں کرایا جارہا ہے۔

تفسیر المبصر لنور القرآن

اس تفسیر کی تالیف میں بیس (۲۰) سال اور طباعت میں چھ (۶) سال لگے۔ مطبعۃالرسالۃالمقدسیۃ قدس سے اس کے دو ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔ پہلا ایڈیشن گیارہ (۱۱) جلدوں پر مشتمل تھا۔ اس میں مؤلفہ نے ہر جزء کے آخر میں تاریخ تالیف کی صراحت کردی تھی اور اس کا انتساب انھوں نے اپنے خاندان کے علماء کے نام کیا تھا۔ پیش لفظ میں تفسیر کی اہمیت، طریقہ اور محرکات بیان کیے تھے۔ اس پر مقدمہ ڈاکٹر اسماعیل نواہضۃ، عمید کلیۃالقرآن والدراسات الاسلامیۃ، جامعۃ القدس وخطیب مسجد اقصیٰ نے لکھا تھا۔ دوسرا ایڈیشن سولہ (۱۶) جلدوں میں ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس پر نظر ثانی اور مراجعہ چھ شخصیات نے کیا تھا، جن کی صراحت تفسیر کی ابتدا میں کردی گئی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: (۱) ڈاکٹر شیخ عکرمہ صبری (مؤلفہ کے شوہر) (۲) ڈاکٹر اسماعیل نواھضہ (۳) ڈاکٹر عبدالرحمن عباد (۴) شیخ احمد ذیاب (۵) الاستاذ ابراہیم عفانہ (۶) محترمہ بہیّہ عابدین۔ اس ایڈیشن پر دو حضرات نے تقریظ لکھی ہے: ایک ڈاکٹر عبدالرحمن عباد، الامین العام لہیئۃ العلماء والدعاۃ، فلسطین اور دوسرے الاستاذ ابراہیم خلیل عفانہ، المحرّر الثقافی لصحیفۃ القدس۔ دونوں نے مؤلفہ کی اس کاوش کی ستائش کی تھی اور اس کی علمی قدر و قیمت کا اعتراف کیا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں مؤلفہ نے بعض سورتوں کے شروع میں مضامین کی تفصیلی فہرست دی تھی۔ اسی طرح انھوں نے حوالوں کا اندراج حواشی میں کیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں یہ فہرست حذف کردی گئی اور حواشی کو ختم کر کے مصادر و مراجع کا تذکرہ متن کتاب میں شامل کردیا گیا۔

تفسیر لکھنے کا محرک

محترمہ نائلہ صبری نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس کی تالیف کے محرک پر

روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

''کتاب اللہ کی تفسیر لکھنے کا محرک اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ سے میری شدید محبت ہے۔ میری بہت خواہش تھی کہ میں قرآنی آیات کی ایسی تشریح کروں جو موجودہ زمانے سے ہم آہنگ ہو، قرآن میں بیان کردہ قدروں کو اس طرح نمایاں کروں کہ شریعت کے منشا کے مطابق ہمارے روزمرّہ کے معاملات اور زندگی کی مشکلات ومسائل حل ہوں۔ میں نے اس کام کا آغاز کرنے سے قبل استخارہ کیا، پھر تفسیر لکھنے کا آغاز کیا۔ مجھے اس وقت مزید شرحِ صدر حاصل ہوا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ میری تفسیر اپنے دستِ مبارک میں لیے ہوئے خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ دوسری مرتبہ مجھے پھر آں حضرت ﷺ کا دیدار نصیب ہوا جب مسجد نبوی کی زیارت کے موقع پر مجھے نیند کی ایک جھپکی آئی تو میں نے دیکھا کہ آپؐ میری تفسیر کو اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں۔''

مصادرِ تفسیر

سیدہ نائلہ نے اپنی تفسیر کی تالیف کے دوران اسلامی علوم کے مختلف مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

(الف) کتبِ تفسیر

۱— جامع البیان فی تأویل القرآن۔ ابوجعفر طبری: مثلاً انھوں نے طبری کے حوالے سے سورۂ بقرہ:۶ کی شان نزول بیان کی، البقرۃ:۳۰ کی تفسیر میں قصۂ آدم کے ضمن میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی کہ زمین پر سب سے پہلے جن بسائے گئے، انھوں نے فتنہ وفساد پھیلایا اور کشت وخون کیا۔ البقرۃ:۲۳۹ کی تفسیر میں عطاؒ کی روایت ذکر کی کہ سواری پر نماز اشارہ سے پڑھی جاسکتی، چاہے اس کا رخ کسی بھی سمت میں ہو۔ وہ عموماً آیات کی شانِ نزول طبری سے نقل کرتی ہیں۔ البقرۃ:۲۱۹ کے نسخ سے

متعلق مفسرین کی آراء بیان کرنے میں انھوں نے طبری سے استفادہ کیا ہے۔

۲– الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور۔ جلال الدین سیوطی: اس سے وہ عموماً احادیثِ نبوی اور صحابہ وتابعین کے آثار روایت کرتی ہیں۔

۳– الکشاف عن حقائق التنزیل۔ جار اللہ زمخشری: مثلاً سورۂ ابراہیم: ۳۷ (فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىٓ إِلَيْهِمْ) کی تفسیر میں انھوں نے زمخشری کی یہ تشریح نقل کی ہے کہ لفظ 'مِنْ' اس آیت میں تبعیض کے لیے آیا ہے۔ اگر یہ نہ لایا جاتا اور صرف 'الناس' کہا جاتا تو اس خطۂ پاک میں اتنے افراد جمع ہوتے کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی۔

۴– البحر المحیط۔ ابوحیان: سورۂ البقرۃ: ۲۴۳ (أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ) کی تفسیر میں انھوں نے ابوحیانؒ کی یہ تشریح نقل کی ہے: ''یہ بنی اسرائیل کے لوگ تھے۔ انھیں جہاد کا حکم دیا گیا، مگر انھوں نے بزدلی دکھائی اور قتل ہونے کا اندیشہ کیا، چنانچہ اس سے بچنے کے لیے راہِ فرار اختیار کی، مگر اللہ نے ان پر موت طاری کردی، تاکہ انھیں معلوم ہوجائے کہ موت سے فرار ممکن نہیں۔ پھر اللہ نے انھیں زندہ کردیا اور جہاد کا حکم دیا۔''

۵– مفاتیح الغیب۔ فخر الدین رازی: انھوں نے لفظ 'شیطان' کی تشریح کرتے ہوئے رازیؒ کے حوالے سے لکھا ہے: ''شیطان کو مرجوم (لعنت زدہ) کہا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے آسمانوں سے بھگانے کے لیے اس پر شہابِ ثاقب کی بارش کریں۔ پھر ہر بدمعاش اور سرکش کو 'شیطان' کہا جانے لگا۔''

۶– الجامع لأحکام القرآن۔ ابوعبداللہ القرطبی: مثلاً لفظ 'مرض' کی تشریح انھوں نے قرطبیؒ کے حوالے سے ماہر لغت ابن فارس سے یہ نقل کی ہے: ''مرض ہر وہ چیز ہے جو انسان کو صحت کے دائرے سے خارج کردے، مثلاً کوئی جسمانی بیماری یا نفاق یا کسی معاملے میں کوتاہی''۔ تفسیر قرطبی سے انھوں نے عموماً فقہی احکام نقل کیے ہیں۔ مثلاً صائبہ اور ان کے ذبیحوں کا حکم، مسائلِ رضاعت کی تفصیل، شراب اور جُوا کے مسائل۔ کہیں کہیں انھوں نے اس تفسیر سے روایات بھی لی ہیں۔

۷– أحکام القرآن۔ جصّاص رازی: اس کتاب سے انھوں نے فقہی موضوعات ومسائل میں استفادہ کیا ہے۔

۸– روح المعانی۔آلوسی: مثلاً انھوں نے لفظ 'البصر' کی لغوی تشریح میں آلوسی کا حوالہ دیا ہے۔

۹– فتح القدیر۔شوکانی ۱۰– تفسیر المراغی

۱۱– صفوۃ التفاسیر۔صابونی ۱۲– فی ظلال القرآن۔سید قطب

۱۳– التحریر والتنویر۔ ابن عاشور

(ب) کتب علوم القرآن

سیدہ نائلہ نے ناسخ ومنسوخ، مکی و مدنی، اسماء سور اور حروف مقطعات کے مباحث میں علوم القرآن کی متعدد کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ خاص طور پر واحدی نیساپوری کی أسباب النزول سے شانِ نزول سے متعلق روایات لی ہیں۔

(ج) کتبِ حدیث

مؤلفہ نے کتبِ حدیث کی تمام اقسام سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً صحاح (بخاری ومسلم وغیرہ)، مستدرکات علی الصحیحین، سنن، مسانید، مصنّفات، کتبِ تخریج اور احادیث کا درجہ متعین کرنے والی کتب۔

(د) اسلامیات کی دیگر کتب

۱– قصص الأنبیاء۔عبدالوہاب النجار ۲– مع الأنبیاء فی القرآن۔عفیف طبارۃ

ان کتابوں سے مؤلفہ نے قرآنی قصوں کے ضمن میں استفادہ کیا ہے اور ان سے حاصل ہونے والے دروس ونصائح بیان کیے ہیں۔

۳– الفقہ الاسلامی وأدلّتہ۔ وھبۃ الزحیلی: اس کتاب کے حوالے آیاتِ احکام کی تفسیر اور فقہی احکام کے استنباط، ان احکام کی حکمتوں کی وضاحت اور حالات پر ان کی تطبیق کے ضمن میں آئے ہیں۔

سورتوں کا عمومی تعارف

آیاتِ قرآنی کی تفسیر سے قبل مؤلفہ نے ہر سورہ کا عمومی تعارف کرایا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے درجِ ذیل چیزیں بیان کی ہیں:

۱– سورہ کی نوعیت (کہ وہ مکی ہے یا مدنی)

اگر پوری سورت مدنی ہے، البتہ اس کی بعض آیات مکی ہیں، یا اس کے برعکس ہے تو اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ ابراہیم کے آغاز میں لکھتی ہیں کہ یہ سورہ مکی ہے، صرف اس کی تین آیتیں (۲۸–۳۰) مدنی ہیں۔ اسی طرح سورۂ رعد کی ابتدا میں لکھتی ہیں: یہ سورہ مدنی ہیں، سوائے دو آیتوں (۳۱، ۳۲) کے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ بعض سورتوں کے زمانۂ نزول میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کی وضاحت کر دیتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے سلسلے میں تفسیر مراغی کے حوالے سے لکھتی ہیں: یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ مکے میں، جب نماز فرض ہوئی تھی اور دوسری مرتبہ مدینہ میں، جب تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا تھا۔

۲– آیات، کلمات اور حروف کی تعداد

مؤلفہ نے ہر سورت کی تفسیر سے قبل اس کی آیات، کلمات اور حروف کی تعداد بیان کی ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے بارے میں لکھا ہے: اس میں سات (۷) آیتیں، انتیس (۲۹) کلمات اور ایک سو تینتالیس (۱۴۳) حروف ہیں۔ سورۂ کہف کے بارے میں لکھا ہے: اس میں ایک سو دس (۱۱۰) آیتیں، ایک ہزار پانچ سو ستّر (۱۵۷۷) کلمات اور چھ ہزار تین سو ساٹھ (۶۳۶۰) حروف ہیں۔ یہی انداز انھوں نے تمام سورتوں میں اختیار کیا ہے۔

۳– اسماءِ سورہ

مؤلفہ ہر سورہ کے سلسلے میں منقول اسماء بیان کرتی ہیں اور سورہ کے مضمون سے ان کا ربط ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کی وجہ تسمیہ وہ یہ بیان کرتی ہیں: ”اس لیے کہ اس سے

مصحف کا آغاز ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت کرنی ہو یا کتابت، ابتدا سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے۔ نمازوں کا آغاز بھی اسی سورہ کی تلاوت سے ہوتا ہے۔" سورۂ البقرۃ کی وجہ تسمیہ میں انھوں نے ڈاکٹر محمود شلتوت کا یہ جواب نقل کیا ہے: "اس سورہ کو 'البقرۃ' اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ عہدِ موسیٰؑ میں بنی اسرائیل میں قتل کا ایک واقعہ رُونما ہوا تھا۔ اس میں قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس کے لیے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔۔۔"

کسی سورہ کے جتنے بھی نام مروی ہیں، وہ ان سب کو بیان کرنے کا اہتمام کرتی ہیں اور ان کی وجوہِ تسمیہ بھی ذکر کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے انھوں نے پندرہ نام درج کیے ہیں: **الفاتحة - أم الكتاب - أم القرآن - الصلاة - الحمد - السبع المثانی - القرآن العظيم - الشفائ - الرقية - الأساس - الوافية - الكافية - الكنز - تعليم المسئلة - النور**۔ اسی طرح سورۂ بقرہ کے انھوں نے مزید تین نام تحریر کیے ہیں: **سنام القرآن - فسطاط القرآن - السبع الطوال**۔ کتبِ تفسیر (البحر المحیط، روح المعانی، السراج المنیر) سے انھوں نے سورۂ آل عمران کے مزید سات نام بیان کیے ہیں: **الزهرائ - الأمان - الكنز - المعينة - المجادلة - طيبة - الاستغفار**۔

۴—فضائلِ سورہ

انھوں نے ہر سورہ کے فضائل بیان کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ کبھی اسمائِ سورہ کے بیان سے قبل اور کبھی اس کے بعد۔ اس سلسلے میں وہ کتبِ حدیث و تفسیر پر اعتماد کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے ذیل میں انھوں نے لکھا ہے: "مروی ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو شیطان چیخ و پکار کرنے لگا" سورۂ بقرہ کے سلسلے میں بیان کرتی ہیں: "عہدِ نبوی میں غزوات کے دوران سورۂ بقرہ کے حفّاظ کو آگے رکھا جاتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ حنین میں جب نبی ﷺ نے صحابہ کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھا تو پکارا: **یا أصحاب سورة البقرة**۔ عروہ بیان کرتے ہیں کہ مسلیمہ کذّاب کی فوج سے جنگ کرتے وقت صحابہ ایک دوسرے کو ان الفاظ میں پکارتے تھے: **یا أصحاب سورة البقرة**۔ سورۂ آل عمران کی فضیلت میں انھوں نے چار احادیث ذکر کی ہیں۔ یہی انداز سورۂ کہف اور دیگر سورتوں میں بھی ہے۔

۵–سورہ کے امتیازات

قرآن کی ہر سورت امتیازی شان رکھتی ہے اور محور اور ہدف کے معاملے میں اس کا خاص رنگ ہے۔ مؤلفہ ہر سورت کی تمہید میں ایسے جملے تحریر کرتی ہیں جن سے اس کے امتیازات پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے سلسلے میں وہ لکھتی ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنے پانچ نام ذکر کیے ہیں: اللہ-رب-رحمن-رحیم-مالک-اللہ سے خالق پر دلالت ہوتی ہے۔ رب سے اشارہ ملتا ہے کہ اس نے نعمتوں سے نوازا ہے۔ رحمن وہ ہے جو نافرمانی کرنے والوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ رحیم وہ ہے جو گناہ گار کی توبہ قبول کرتا ہے اور مالک کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن بدلہ دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔'' بسا اوقات وہ اس سلسلے میں تفصیل سے اظہار خیال کرتی ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے سورۂ رعد میں کیا ہے۔

منہجِ تفسیر

ہر سورہ کے بارے میں مذکورہ بالا چیزیں بیان کرنے کے بعد جب وہ تفسیر کا آغاز کرتی ہیں تو تین باتوں کا اہتمام کرتی ہیں: (۱) اسباب نزول (۲) مفردات کی تشریح (۳) ہر آیت کی الگ الگ تفسیر۔ ان تینوں باتوں کا انھوں نے بالعموم التزام کیا ہے۔ ذیل میں ان کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱– اسبابِ نزول

آیت کی تفسیر سے قبل، اگر اس کے ضمن میں اسبابِ نزول کی روایات ہوتی ہیں تو وہ انھیں ذکر کرتی ہیں۔ اس کے لیے وہ کتبِ تفسیر و علوم القرآن اور خاص طور پر کتب اسباب النزول پر اعتماد کرتی ہیں۔ کبھی وہ بہت سے اسبابِ نزول میں سے ایک یا ایک سے زائد کو بیان کرتی ہیں اور کبھی بغیر ترجیح کرکے تمام روایات نقل کر دیتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي

إِسْرَائِيلَ عَلَى مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔(الاحقاف:۱۰)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ایک یہودی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اسلام لے آیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے سببِ نزول کی عام روایت ذکر کی ہے، پھر دوسری وہ روایات بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت (یہودی نومسلم) حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی، یا ان میں ان کی فضیلت اور ان کے قبولِ اسلام کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

سورۃ النحل کی پہلی آیت (أَتَى أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ) کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے: ''سورۃ قمر کی پہلی آیت (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ) نازل ہوئی تو کفار نے باہم کہا کہ محمد (ﷺ) نے قربِ قیامت کی خبر دی ہے، اس لیے اپنے آپ کو سدھار لو۔ کافی دن گزر گئے، کچھ نہیں ہوا، تو اس پر اشکال وارد کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔''

بسا اوقات اگر سببِ نزول کی روایت طویل ہوتی ہے تو وہ اسے مختصراً بیان کرکے اس کا حوالہ دے دیتی ہیں۔ مثلاً سورۃ النحل: ۴۱ (وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللّٰهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابن جریرؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ابوجندل بن سہیلؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ پھر اس کے سلسلے میں واحدی کی کتاب أسباب النزول کا حوالہ دیا ہے، لیکن واقعہ کی تفصیل ذکر نہیں کی ہے۔

کبھی کسی آیت کے ضمن میں وارد اسبابِ نزول کی تمام روایات نقل کرتی ہیں اور ان کتبِ تفسیر کا تذکرہ کرتی ہیں جن میں یہ روایات اختصار یا تفصیل سے آئی ہیں۔ مثلاً آیت: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ (البقرۃ:۲۱۷) کی شان نزول میں وارد تمام روایات نقل کرنے کے بعد سید قطب کے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ یہ سوال سریۂ عبداللہ بن جحشؓ کے بارے میں کیا گیا تھا۔

۲– مفردات کی تشریح

مفسرہ صرف مشکل الفاظ ہی نہیں، بلکہ بسا اوقات عام الفاظ (جن کے معانی عربی زبان جاننے والا ہر شخص سمجھتا ہے) کی بھی تشریح کرتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ الفاظ کی تشریح عموماً اپنے طور پر کرتی ہیں، کتبِ لغت و معاجم کا کوئی حوالہ نہیں دیتیں۔ کسی لفظ کی تشریح کے دوران کبھی اس کے مترادفات بھی بیان کرتی ہیں اور کبھی اس کے بغیر اس کی تشریح کردیتی ہیں۔ مثلاً آیت: وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ (الاسرائ:۱۳) کی تشریح میں لکھتی ہیں:

> ''ہر انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے، اس کا اس کو بدلہ مل کر رہے گا۔ گویا وہ اس سے اس طرح چپک جاتا ہے جیسے گردن میں قلادہ کہ وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اور 'طایر' سے مراد انسان کا عمل ہے۔ آیت میں لفظ 'عنق' (گردن) حسن اور قبح دونوں معانی میں آیا ہے۔ اگر اس کا عمل نیک ہوگا تو اس کی گردن میں قلادہ کے مثل ہوگا اور اگر بُرا ہوگا تو طوق کے مثل ہوگا۔''

آیت: وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً (الاسرائ:۲۶) کے ذیل میں 'اسراف و تبذیر' کی تشریح اور ان کے درمیان فرق کی وضاحت ان الفاظ میں کرتی ہیں: ''تبذیر کا مطلب ہے ناحق خرچ کرنا۔ جو شخص اپنا مال حق کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے 'مُبَذِّر' نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَاماً (الفرقان:۶۷) زیادہ خرچ کرنے کو تبذیر اور اسراف نہیں کہا جاتا، بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ کہاں خرچ کیا جارہا ہے؟ اگر انفاق اطاعتِ الٰہی کی راہ میں ہو تو جتنا بھی کیا جائے، اسے اسراف نہیں کہا جائے گا، لیکن اگر وہ معصیتِ الٰہی کی راہ میں اور ناحق ہو تو کتنا بھی کم ہو، اسے اسراف کہا جائے گا۔''

بسا اوقات وہ لفظ کا اصل مادہ بیان کرتی ہیں، اس کے مختلف استعمالات کا تذکرہ کرتی ہیں، پھر بتاتی ہیں کہ سیاقِ آیت میں اس کا کون سا معنیٰ مقصود ہے؟ مثلاً آیت:

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الأَسبَابُ (البقرۃ:۱۶۶) میں لفظ 'اسباب' کی تشریح انھوں نے یہ کی ہے:

”'اسباب' کا واحد 'سبب' ہے۔ اس کا اصل معنیٰ ہے وہ رسّی جس کے سہارے پودا اوپر چڑھتا ہے۔ چنانچہ اس کا استعمال 'سہارا' اور 'واسطہ' کے معنیٰ میں ہونے لگا۔ اِس آیت میں اس سے مراد محبت ومودّت کے وہ رشتے ہیں جو حکم چلانے والوں اور حکم ماننے والوں کے درمیان پائے جاتے ہیں۔“

یہاں وہ خلافِ معمول 'صفوۃ البیان' (ص ۳۸) کا حوالہ دیتی ہیں اور آخر میں بہ طور خلاصہ کہتی ہیں کہ 'اسباب' کے معنیٰ یہاں محبت، تعلق اور قرابت کے ہیں۔

۳۔ نصِّ آیت کی تفسیر

سببِ نزول کی وضاحت اور مفرد الفاظ کی تشریح کے بعد وہ آیت کی تفسیر کرتی ہیں اور اس میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان کی وضاحت بہت عمدہ اسلوب میں کرتی ہیں، جس میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں ہوتا۔

اصولِ تفسیر کی رعایت

سیدہ نائلہ کا منہجِ تفسیر، تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی المحمود دونوں کا جامع ہے۔ ذیل میں نکات کی شکل میں اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔

۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن

سب سے پہلے وہ نصِّ آیت کی تفسیر وتشریح کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس کے لیے قرآن کریم کی دیگر آیات پیش کرتی ہیں، جن میں وہی مضمون وارد ہوا ہے، یا اس کی مزید تفصیل بیان کی گئی ہے، یا اس کی تخصیص یا تقیید کی گئی ہے، تاکہ مختلف سورتوں میں پائے جانے والے نظائر سے معنیٰ کی خوب وضاحت ہوجائے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے کسی آیت کی مجمل تفسیر بیان کرتی ہیں، پھر کہتی ہیں کہ اس کی نظیر فلاں فلاں آیتیں ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ

لِلْکَافِرِیْنَ حَصِیْراً۔ (الاسراء ۸:)

اس کی تفسیر میں وہ لکھتی ہیں : ’’اللہ تعالیٰ یہود سے فرماتا ہے کہ اگر تم نے دوبارہ زمین میں فساد مچایا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا تو ہم بھی دوبارہ تمھیں سزا دیں گے اور تم سے انتقام لیں گے۔‘‘ پھر کہتی ہیں: اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَن یَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِیْمٌ۔ (الاعراف ۱۶۷:)

بسا اوقات وہ ایک مضمون کی وضاحت کے لیے تمام ہم معنیٰ آیات جمع کردیتی ہیں۔ مثلاً قومِ ثمود پر عذابِ الٰہی کا تذکرہ قرآن میں ایک جگہ ان الفاظ میں ہے :

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ یَنظُرُونَ ۔ (الذاریات: ۴۴)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے دیگر نظائر یکجا کردیے ہیں، جو یہ ہیں:

— فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا یَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن کُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ (الاعراف ۷۷:)

— وَأَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِیْ دِیَارِهِمْ جَاثِمِیْنَ۔ (هود :٦٧)

— فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِیْ دَارِهِمْ جَاثِمِیْنَ۔ (الاعراف ۹۱ :)

— فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِکُوا بِالطَّاغِیَةِ۔ (الحاقة :۵)

ایک لفظ کے اگر کئی معانی ہوں تو اس کے جو معنیٰ سیاقِ آیت میں مراد ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کے لیے وہ دیگر آیات پیش کرتی ہیں۔ مثلاً آیت :وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکَافِرِیْنَ حَصِیْراً (الاسرائ: ۸) میں لفظ ’حَصِیْراً‘ کی تشریح وہ یوں کرتی ہیں : ’’لغت میں ’حصیر‘ چٹائی کو کہتے ہیں، جسے بچھایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال بستر، قید خانہ اور جیل کے معانی میں بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں کافروں کا اخروی انجام بیان کررہا ہے کہ جہنم ان کے لیے بستر اور قید کے مثل ہوگی، جس سے انھیں چھٹکارا ملے گا نہ وہ کوئی

جائے قرار پائیں گے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ (الاعراف:۴۱)۔

۲– تفسیر القرآن بالسنة

سیدہ نائلہ صبری کو تفسیرِ قرآن میں سنتِ نبوی کی اہمیت کا بہ خوبی احساس ہے۔ اسی لیے وہ آیت کی تفسیر میں قرآنی نظائر پیش کرنے کے بعد قولی اور عملی احادیث بھی کثرت سے نقل کرتی ہیں۔ بسا اوقات وہ احادیث کی عبارتیں نہیں درج کرتیں، بلکہ ان کے سلسلے میں کتبِ تفسیر و حدیث کا حوالہ دے دیتی ہیں، جیسا کہ انھوں نے سورۂ کہف کی فضیلت میں وارد روایات کے سلسلے میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَهُم بِالۡخَيۡرِ لَقُضِيَ إِلَيۡهِمۡ أَجَلُهُمۡ (ھود:۱۱) اس کی تفسیر میں انھوں نے دو حدیثیں بیان کی ہیں، جن میں اپنے آپ کو اور اپنے مال و اولاد کو بددعا دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لاتدعوا علی أنفسکم، ولاتدعوا علی أولادکم، ولا تدعوا علی خدمکم، ولا تدعوا علی أموالکم، توافقوا من اللہ تبارک وتعالیٰ ساعة نیل فیها عطاء فیستجیب لکم'' [أبو داؤد: ۱۵۳۲]۔ (اپنے آپ پر بددعا نہ کرو اور نہ اپنے، خادموں، اولاد اور مال پر بددعا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کی جانب سے قبولیتِ دعا کا وقت ہو اور وہ اسے قبول کرلے)۔ دوسری حدیث حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لاتدعوا علی أنفسکم الا بخیر، فان الملائکة یؤمنون علی ماتقولون'' [مسلم: ۹۲۰]۔ (اپنے بارے میں اچھی دعا ہی کیا کرو۔ اس لیے کہ تم جو کچھ کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔)

اعمال اور عبادات کے فضائل اور ان کے احکام اور حکمتوں کے بیان میں وہ کثرت سے احادیث کا ذکر کرتی ہیں۔ مثلاً آیاتِ صیامِ رمضان کے ضمن میں۔ اسی طرح آیت: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرة:۱۸۶) کی تفسیر میں انھوں نے دعا کی فضیلت، دعا کرنے والے کی صفات اور

دعا کے مستحب اوقات سے متعلق متعدد احادیث بیان کی ہیں۔

حدیث پر حکم لگانے میں وہ تخریجِ حدیث کی کتابوں سے مدد لیتی ہیں اور اس کا درجہ متعین کرنے کے لیے مخصوص مصادر اور ناقدینِ حدیث، مثلاً خطیب بغدادیؒ اور ناصرالدین البانیؒ کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی روایت ضعیف یا موضوع ہو تو اس پر تنبیہ وہ حوالوں کے ساتھ کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ ابراہیم میں شجرۃ طیبۃ (آیت: ۲۴) کی تفسیر میں انھوں نے یہ روایت نقل کی ہے: ''اپنی پھوپھی کی عزت کرو''۔ دریافت کیا گیا: پھوپھی سے مراد کیا ہے؟ فرمایا: کھجور کا درخت۔ پھر لکھا ہے: اس کی تخریج عقیلی نے الضعفاء میں، ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں اور ابن الجوزی نے الموضوعات میں کی ہے۔''

اسی طرح کسی ایک مسئلہ میں متعدد آراء ہوں تو ان کے بیان میں بھی وہ حدیثِ نبوی سے مدد لیتی ہیں۔ مثلاً 'الصلوٰۃ الوسطیٰ' (البقرۃ: ۲۳۸) سے مراد کون سی نماز ہے؟ اس سلسلے میں انھوں نے علماء کی آراء اور ان کی ترجیحات ذکر کی ہیں، ہر رائے کی تائید میں جو احادیث مروی ہیں، انھیں پیش کیا ہے، پھر ترجیح اس رائے کو دی ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ انھوں نے احادیث پیش کرنے کا اہتمام آیاتِ احکام کی تفسیر میں کیا ہے، خاص طور سے وہ احکام جو حلال و حرام اور حقوق سے متعلق ہوں، مثلاً طلاق و عدت کے مسائل اور دیگر فقہی احکام۔

۳–تفسیر القرآن بالآثار

مفسرین نے نصوصِ قرآن کی تفسیر میں اقوالِ صحابہ سے بھی مدد لی ہے۔ اس لیے کہ وہ زمانۂ نزولِ قرآن میں موجود تھے اور اس کے معانی سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ واقف تھے۔ یہ طریقہ سیدہ نائلہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ وہ صحابہ کے ایسے اقوال نقل کرتی ہیں جن سے آیت یا حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے یا نص سے التباس کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً کلالۃ (النسائ: ۱۷۶) کے بارے میں انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا نہ بیٹا ہو نہ باپ۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۹ میں لفظ 'فاحشة' کی تفسیر میں بیان کرتی ہیں کہ اس سے مراد حضرات ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ضحاکؒ اور قتادہؒ کے نزدیک بغض ونفرت اورنشوز (شوہر سے سرتابی) اور حسنؒ کے نزدیک زنا ہے۔ سورۂ اسرائ: ۳ (ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً) کی تفسیر میں حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''حضرت نوحؑ جب کوئی کپڑا پہنتے یا کچھ کھاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے۔ اسی لیے انھیں 'عبد شکور' کہا گیا ہے۔'' سورۂ حجر: ۳ (ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ) کی تفسیر میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''مجھے تمھارے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے: بہت زیادہ امیدیں اور خواہشات کی پیروی۔ اس لیے کہ بہت زیادہ امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں اور خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔'' سورۂ آل عمران: ۲۸ میں وارد لفظ 'تقیہ' کی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور مجاہدؒ کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ ''اس کی اجازت ابتدائے اسلام میں دین کے استحکام سے قبل تھی''۔ انھوں نے تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں سے عطاءؒ، مجاہدؒ، شعبیؒ اور سعید بن المسیّبؒ وغیرہ کے اقوال کثرت سے نقل کیے ہیں۔

۴ــ فقہی احکام کا بیان

مؤلفہ جب احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتی ہیں تو فقہی حکم (یا فقہی احکام) کا ذیلی عنوان قائم کرتی ہیں اور مسائل کو بہت آسان اسلوب میں نکات کی شکل میں بیان کرتی ہیں۔ ایسے مواقع پر وہ عموماً فقہی اختلافات اور ان کی تشریحات سے گریز کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں وہ ایک سوال قائم کرتی ہیں: سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز میں واجب ہے یا نہیں؟ پھر اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد جمہور کے قول کو راجح قرار دیتی ہیں کہ اس کا پڑھنا واجب ہے۔ ساتھ ہی اس کے دلائل کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ یہی انداز انھوں نے استعاذہ (أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا) اور بسملة (بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا) کے سلسلے میں اور وصیت، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام کے ضمن میں بھی اختیار کیا ہے۔

کہیں کسی آیت کی مخصوص توضیح کی ضرورت ہوتی ہے تو 'توطئۃ' (تمہید) کا ذیلی عنوان قائم کرتی ہیں۔ مثلاً آیتِ صیام (البقرۃ: ۱۸۳) کے ذیل میں انھوں نے یہ عنوان قائم کر کے ان نکات پر بحث کی ہے: روزہ دیگر اقوام میں۔ روزہ اسلام میں۔ ارکانِ صوم۔ روزہ کی قسمیں (فرض، مسنون، حرام)۔ روزہ کی شرطیں۔ روزہ سے حاصل ہونے والے دروس۔ روزہ کے فوائد۔ روزہ کے آداب (سحری کھانا، افطار میں جلدی کرنا، افطار کے وقت دعا، زبان کی حفاظت، کثرت سے ذکرِ الٰہی، کھجور یا پانی سے افطار کرنا، مسواک کرنا، روزے دار کا کم کھانا، قیامِ لیل، عمرہ اور اعتکاف) وغیرہ۔ یہ تمام بحثیں انھوں نے آیت کی تفسیر کرنے اور احکام بیان کرنے سے قبل کی ہیں۔

آیاتِ حج (البقرۃ:۱۹۶۔ ۲۰۰) کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے گیارہ صفحات میں حج سے متعلق اکسٹھ (۶۱) نکتے بیان کیے ہیں۔ ہر نکتہ کے ذیل میں کسی آیت، حدیث یا اثر سے استدلال کیا ہے۔ آیات کی تفسیر کے بعد 'تتمہ' کے عنوان سے ایک بار پھر گیارہ (۱۱) نکات میں مناسکِ حج کے فقہی احکام درج کیے ہیں۔ ان تمام مواقع پر وہ عموماً فقہی اختلافات سے گریز کرتی ہیں، البتہ جہاں ضرورت ہوتی ہے، ایک مسئلے میں متعدد فقہی آراء ذکر کرتی ہیں، مثلاً مرتد اور اس کی وراثت کے مسئلہ میں انھوں نے تمام فقہی آراء کا استقصاء کیا ہے۔

۵–نحو، لغت اور بلاغت کے مباحث کا اہتمام

مفسرہ نے اپنی تفسیر میں جا بہ جا نحو، لغت اور بلاغت کے پہلوؤں پر بھی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور بڑے لطیف نکتے بیان کیے ہیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّا أَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهُ (البقرۃ: ۱۷) اس آیت میں 'ما' حرفِ زائد ہے۔ اسے تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

ارشاد ہے: هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ (البقرۃ: ۲۱۰) اس آیت میں ھل (حرفِ استفہام) نفی کے معنیٰ میں ہے۔

ارشاد ہے: زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنيَا (البقرة:۲۱۲) اس آیت میں فاعل مؤنث ہے، لیکن فعل مؤنث (زُيِّنَتْ) کے بجائے مذکر (زُيِّنَ) لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان کے درمیان لِلَّذِينَ كَفَرُوا آ گیا ہے اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جائے تو فاعل کے مؤنث ہونے کے باوجود اس کا فعل مذکر لایا جا سکتا ہے۔

سورۂ کہف میں، جب خضر نے کشتی میں شگاف کر دیا تو موسیٰؑ نے فرمایا: لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا (آیت:۷۱) اور جب انھوں نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا تو انھوں نے فرمایا: لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا (آیت: ۷۴) الفاظ میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے موقع پر حضرت موسیٰؑ نے تعجب کا اظہار کیا اور تعجب خیر اور شر دونوں مواقع پر کیا جاتا ہے، جب کہ دوسرے موقع پر حضرت موسیٰؑ نے نکیر کی اور نکیر صرف غلط کام پر کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ لڑکے کو قتل کرنا کشتی میں شگاف کرنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ برا فعل تھا۔

قرآن میں اگر ایک ہی چیز کے لیے ایک سے زائد الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو ایسے موقع پر بھی مفسرہ ان کے درمیان لغوی فرق اور ان کے استعمال کی حکمت واضح کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ کہف میں ہے: حَتّٰى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ (آیت: ۷۷) آگے ہے: وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ (آیت: ۸۲)۔ ایک ہی بستی کو ایک جگہ قریۃ اور دوسری جگہ مدینۃ کہا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ یٰسٓ میں ہے: وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلاً أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ (آیت:۱۳) اور آگے ہے: وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعٰى (آیت :۲۰)۔ یہاں بھی ایک ہی مقام کو ایک جگہ قریۃ اور دوسری جگہ مدینۃ کہا گیا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ صلاح، ایمان اور مومنین کا تذکرہ کرتا ہے تو وہاں لفظ مدینۃ آیا ہے اور جب فساد اور مفسدین کا تذکرہ کرتا ہے تو وہاں قریۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

مفسرہ نے اپنی تفسیر میں کہیں کہیں اشعار سے بھی استدلال کیا ہے، لیکن بہت کم۔ مثلاً سورۂ بقرہ: ۹۴ (قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآخِرَةُ عِندَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ کی تفسیر کے تحت انھوں نے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کا یہ شعر نقل کیا ہے، جو انھوں نے معرکۂ مؤتہ کے موقع پر اپنی شہادت سے قبل پڑھا تھا:

یاحبّذاالجنۃواقترابھا طیّبۃ وبارد شاربھا

سورۂ ق کے تحت وہ لکھتی ہیں کہ اس میں درج ذیل بلاغی وجوہ پائے جاتے ہیں: (۱) تشبیہ مرسل (۲) استعارہ (۳) جناس (۴) طباق (۵) سجع۔ قابل ذکر یہ ہے کہ وہ 'فاصلہ' کے بجائے 'سجع' کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں۔ اسی طرح سورۂ رعد میں ان وجوہِ بلاغی اور صورِ بیانی وبدیعی کی نشان دہی کی ہے: (۱) جناس (۲) مجاز عقلی (۳) طباق (۴) سجع۔ آیت وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: ۲۲۸) کے تحت کہتی ہیں کہ اس میں دو حرفوں کے درمیان 'طباق' پایا جاتا ہے۔ یہ علم البدیع میں سے ہے۔ اسی طرح آیت: مَثَلُھُمْ کَمَثَلِ الَّذِیْ اسْتَوْقَدَنَاراً (البقرۃ: ۱۷) کے ذیل میں کہتی ہیں کہ اس میں تشبیہ تمثیلی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو آگ جلانے والے سے، اظہارِ ایمان کو آگ روشن کرنے سے اور ان کے باطن کو تاریکی سے تشبیہ دی ہے۔

تفسیر کے دیگر امتیازی پہلو

۱– آیات کے درمیان ربط وتناسب

اگرچہ مفسّرہ نے ہر آیت کی علیحدہ تفسیر کی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ آیات کے درمیان ربط و تناسب بیان کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ البقرۃ: ۱۴۲ (سَیَقُوْلُ السُّفَھَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰھُمْ عَنْ قِبْلَتِھِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْھَا ۔۔۔الخ) کا ربط وہ اگلی آیت (وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطاً ۔۔۔الخ) سے یوں بیان کرتی ہیں: ''یعنی جس طرح ہم نے تمھاری رہ نمائی ابراہیمؑ کے قبلے کی طرف کی ہے، جو روئے زمین کے وسط میں واقع ہے، اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا ہے۔'' سورۂ بقرہ۲۳۷: میں طلاق کے احکام مذکور ہیں، اس کے بعد کی آیت میں نماز کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ دونوں کے درمیان ربط کی نشان دہی وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں: ''اس آیت میں نماز کی محافظت کا بیان ہے، جب کہ اس سے قبل کی آیت نکاح وطلاق سے متعلق تھی۔ بہ الفاظ دیگر آیت سابقہ میں مصالح دنیا کا بیان تھا اور مابعد آیت مصالح آخرت